ادار یہ

'بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے'

گزشتہ صدی کے آغاز میں بین اقوامی صیہونیت کے ایک یہودی وفد نے سلطان عبدالحمید سے درخواست کی کہ اگر سلطان موصوف یہودیوں کوفلسطین، خاص طور پر بیت المقدس (یروشلم- Jerusalem) میں آباد ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو یہودی عثمانی خلافت کے قرضوں کو ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ''جب تک ترک بہ قیدِ حیات ہیں، فلسطین اور بیت المقدس میں یہودیوں کو کوئی خاص رعایت نہیں دی جائے گی۔ لیکن اگر ہم نہ رہے تو فلسطین تمہیں مفت مل جائے گا۔'' مرحوم سلطان نے جواب دیا۔

آنے والے وقت نے بتایا کہ عثمانی خلیفہ ''پیغمبر'' تھا۔ پہلی جنگِ عظیم ختم ہوئی تو عثمانی خلافت اور مشرقِ وسطیٰ کے عرب علاقوں پر اینگلو-فرینچ سامراج نے قبضہ کرلیا۔ عرب دُنیا کو تقسیم کر دیا گیا۔ فلسطین اور بیت المقدس پر برطانیہ نے قبضہ کرلیا، عراق اور اردن پر شریف حسین کے بیٹوں: فیصل اور عبداللہ کو والی بنا دیا گیا۔ برطانیہ نے اپنی نگرانی میں یہودی رہنماؤں کو اسرائیلی ریاست کے قیام کے لیے کام کرنے کا موقع دیا۔ چنانچہ یہودی ایک مربوط پروگرام کے تحت فلسطین میں آباد ہونے لگے اور عربوں کی زمینوں کو بھاری قیمت پر خریدنے لگے۔ جس پر بعض عرب رہنماؤں نے اہلِ فلسطین کو بار بار خبردار کیا کہ وہ یہودیوں کے ہاتھوں زمینیں نہ بیچیں۔ قاہرہ سے ایک کتاب ''فلسطین تحترق فی نارالشھوات'' [۱] شائع ہوئی جس میں دلائل

---

[۱] فلسطین 'سفلی جذبات کی آگ' میں جل رہا ہے۔

سے عربوں کو متنبہ کیا گیا کہ یہودی بھاری قیمت ادا کر کے عربوں کی زمینیں خرید رہے ہیں۔ اس کے خوفناک نتائج سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن عرب رہنما اور فلسطین میں مفتی امین الحسینی اس قدر 'سادہ لوح' واقع ہوئے تھے کہ وہ فلسطین میں اینگلو فرنچ اور صیہونی سیاست کے پیچ وخم سمجھنے سے قاصر رہے۔ بالآخر فلسطین کو ۱۹۴۸ء میں دو ریاستوں، عرب اور اسرائیل میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہودیوں کو ایک طویل مدت کے بعد اپنا ''وطن'' ملا تھا۔ چنانچہ بین اقوامی سامراجی حکومتوں کی حمایت اور اپنی ٹھوس منصوبہ بندی اور محنت سے یہودی اسرائیل کو ایک جدید اور جمہوری ریاست بنانے میں کامیاب ہو گئے اور عرب حکومتیں نہ صرف اینگلو-فرنچ سیاست کو پہچاننے میں ناکام رہیں بلکہ اپنے ہی عرب بھائیوں کے خلاف، اینگلو-فرنچ سیاست کے مہرے بنی رہیں۔ برطانیہ کے ایک سابق وزیراعظم ایڈن (Edan) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ عراق کے وزیراعظم نوری سعید نے ۱۹۵۶ء میں اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ مصر پر حملہ کر دے۔ مصری عوام صدر جمال عبدالناصر کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ غرضیکہ فلسطین اور بیت المقدس (Jerusalem) پر شاہ عبداللہ (والیٔ اردن) عربوں کے قومی مفاد کو تاراج کرتا رہا۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے پورے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور عرب دُنیا اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود آج تک اپنے ہاں کوئی صحت مند اخلاقی، جمہوری اور معاشی قدروں پر حکومت قائم نہ کر سکی، جو عوامی امنگوں کی ترجمان ہوتی۔

گذشتہ صدی میں عثمانی خلافت کو ختم کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے مشرقِ وسطٰی کے عرب رہنماؤں کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس سازش کی کامیابی کا سہرا مشہور برطانوی افسانوی کردار لارنس آف عربیا (Lawrence of Arabia) کے سر ہے۔ لارنس غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ عربی زبان پر اسے قدرت حاصل تھی۔ وہ اپنی بود و باش اور رہن سہن میں 'عرب' بن گیا تھا۔[۱] اس کے تعلقات مکہ میں شریف خاندان سے تھے۔

---

[1] Phillip Knightly and Colin Simpson: *The Secret Lives of Lawrence of Arabia*, London, 1969, p.124-125

عرب لارنس کو اپنے خاندان کا ایک فرزند تصور کرتے تھے۔ عربوں کی اس تاریخی مہمان نوازی اور انسان دوستی سے لارنس بڑا متاثر تھا۔

بیت المقدس میں برطانوی حکومت اور عربوں میں جو معاہدہ ہوا، اس میں صیہونی سازش کے تحت بیت المقدس میں 'یہودی آبادکاری' کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا گیا، جس سے لارنس آف عربیا کو بڑا دُکھ ہوا اور اسے شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ عربوں نے تہِ دل سے اسے اپنے لطف و کرم سے نوازا ہے۔ برطانوی حکومت نے ۱۹۱۴ء کی جنگ جیتنے پر جن لوگوں کو اعزازات دیے، ان میں لارنس آف عربیا کا نام بھی تھا، اسے لارنس آف عربیا کی اخلاقی جرأت کا کرشمہ جانیے کہ اس نے یہ تمغہ بادشاہ کے ہاتھ سے لینے سے انکار کر دیا۔ برطانوی سوسائٹی میں اسے 'بدمذاقی' تصور کیا گیا۔ چرچل نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''جب برطانوی بادشاہ لارنس کو اعزاز دینے لگے تو لارنس نے بادشاہ سے التجا کی: ''مجھے اجازت دیجئے کہ اس تمغہ کو لینے سے انکار کر دوں۔'' اس گفتگو کے وقت وہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔''[۱]

عرب دُنیا کے خلاف ۱۹۱۴ء سے آج ۲۰۰۹ء تک جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کی تازہ مثال غزہ (فلسطین) میں اسرائیل کا شرمناک طرزِ عمل ہے؟ جہاں اسرائیل تین ہفتوں سے خونی ڈرامہ کھیل رہا ہے، غزہ کی پوری عرب آبادی بوڑھے ہوں یا بچے، مرد ہوں یا خواتین، اسرائیل کی جارحانہ درندگی کا شکار بن رہے ہیں۔ یہاں عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ عراق میں آنجہانی صدر بش کو جاتے وقت ذلت و نفرت کا جو 'تحفہ' دیا گیا ہے، اس پر امریکا اپنے عہدِ نو میں نظرِ ثانی کرے گا اور غزہ میں اسرائیل کے وحشیانہ طرزِ عمل کی کھل کر مذمت کرے گا۔ افسوس!

---

[1] "When The King was about to bestow the Insignia, Lawrence begged that he might be allowed to refuse them. The King and Lawrence were alone at that time." *Great Contemporaries*, London, p.130.

ایسا نہ ہو سکا۔ غزہ کی پوری عرب آبادی ادھر پون صدی سے رہین ستم ہائے روزگار ہے۔ عرب لیگ اور مؤتمر عالمِ اسلامی 'لفظی قراردادوں' سے دل بہلانے کی کوشش کرتے رہے۔

اسے حسنِ اتفاق کہیے کہ خاکسار ۱۹۵۶ء میں غزہ میں کئی بار جا چکا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں عرب اسرائیل جنگ میں غزہ میں بھارت کی فوج .U.N کی طرف سے بھیجی گئی تھی۔ فوج میں ایک بڑی تعداد مشرقی پنجاب کے سکھوں اور ہندوؤں کی تھی۔ قاہرہ میں وزارتِ نشریات کی اُردو سروس میں خاکسار بھی کام کرتا تھا۔ اُردو پروگرام کے نگران جناب احمد طاہر نے اپنے مصری ساتھی الاستاذ الھادی ابوالنجاء سے کہا کہ تم رشید احمد کے ساتھ غزہ جاؤ اور بھارتی فوجیوں کے پیغامات (اُردو یا پنجابی) میں ریکارڈ کر کے قاہرہ کی اُردو سروس سے بھارت کے لیے نشر کرو۔ چنانچہ خاکسار، الھادی ابوالنجاء اور دوسرے تکنیکی عملہ کے ساتھ کئی بار غزہ گیا۔ جہاں ہر بار کم از کم ہفتہ یا دس دن رہتے۔ غزہ کے پڑھے لکھے اور عام آدمیوں سے ملتے۔ غزہ اور اسرائیل کی سرحد پر بھی کئی بار گئے۔ ایک طرف سبزہ ہی سبزہ تھا اور ایک انچ زمین خالی نہ تھی۔ اسرائیل کی پوری بستیاں ایک ہی طرز کی بنی ہوئی تھیں۔ اسرائیلی اپنے کھیتوں میں کام کرتے نظر آتے تھے۔ خاکسار نے ایک عرب شہری سے پوچھا: بھئی یہ لوگ کام کر رہے ہیں اور تمہاری زمین چٹیل پڑی ہوئی ہے۔ کم از کم جو علاقہ تمہارے پاس ہے اسے تو آباد کرو۔ اس سوال پر اُس عرب نے فوراً کہا: **اوّل نغزو ثم نعمل** ''پہلے ہم لڑیں گے، پھر یہ کام'' (یعنی کاشت کاری اور زمین کو آباد کرنا)۔ خاکسار نے اس سے کہا، حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جب آپ کام ہی نہیں کرتے تو جنگ کیوں کر کرو گے؟ غزہ میں خاکسار اپنے مصری ساتھیوں کے ساتھ حضرت ہاشم کی قبر پر بھی گیا۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ حضرت ہاشم (حضرت عبدالمطلب کے والد) تجارت کے سلسلہ میں یہاں آیا کرتے تھے۔

کسے علم تھا کہ آج نصف صدی کے بعد بھی اہلِ غزہ اسرائیل کی وحشیانہ کارروائیوں کا نشانہ بنیں گے اور نہ صرف غزہ کے پڑوس میں بسنے والی عرب حکومتیں اپنے آپ کو ایسی مجبور اور بے بس پائیں گی کہ اپنے ہی نہتے مظلوم عرب بھائیوں کی حمایت میں آواز بھی اُٹھانے سے گریز

کریں گی؟ ادھر چند سال پہلے جب اسرائیل نے لبنان پر چڑھائی کی تھی، لبنان کی 'حزب اللہ' اور اس کے بہادر صدر کی کامیاب مزاحمت پر اسرائیل کو رسوا ہو کر میدان چھوڑنا پڑا تھا اور پہلی بار اسرائیل کے ناقابلِ تسخیر ہونے کا تصور فضا میں بکھر گیا تھا۔ لیکن آج پھر اسرائیل نے جس وحشت و بربریت کا ارتکاب کرتے ہوئے اہلِ غزہ کو اپنی خوفناک درندگی کا نشانہ بنایا ہے۔ اس پر عرب دُنیا کے حکمرانوں کی ''خاموشی'' تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن 'حزب اللہ' جیسی بہادر پارٹی کا سکوت باعثِ حیرت ضرور ہے۔ البتہ 'حماس' پارٹی نے اپنی بساط کے مطابق اسرائیلی جارحیت کا مقابلہ کیا ہے۔ وہ جمہوری راہ سے غزہ میں برسرِ اقتدار آئی ہے۔ اسرائیل یا اُس کے آقا کا 'حماس' کے خلاف پروپیگنڈا بتاتا ہے کہ 'حماس' اہلِ غزہ کا دفاع کر رہی ہے۔ البتہ اس حقیقت سے بھی انکار مشکل ہے کہ خود اسرائیل میں ایسے انصاف پسند لوگ بھی ہیں جو اسرائیل کی فسطائی کارروائیوں کی مطلقاً حمایت نہیں کرتے۔ یہ شرف ان چند انسان دوست یہودی دانشوروں کے حصہ میں آیا ہے، جنہوں نے حق گوئی کی بلند مثال قائم کی ہے۔

اسرائیل کے ایک متحرک امن پسند شہری یوری اونری (Uri Avnery) نے اسرائیلی جارحیت کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''گزشتہ چند عشروں میں ریاستی مذہبی تعلیمی نظام نے اپنے لیے مذہبی Rabbis تیار کیے ہیں، جو پولینڈ یا مراکش کے یہودی راہبوں کی بہ نسبت قرونِ وسطیٰ میں نصرانی راہبوں سے زیادہ ملتے جلتے ہیں۔ یہ نظامِ تعلیم اپنے شاگردوں کو تشدد کی تعلیم دیتا ہے جنہیں دُنیا میں یہودیوں پر ختم نہ ہونے والی تشدد کہانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ ہے اس برگزیدہ قوم کا مذہب جسے دوسروں سے کوئی سروکار نہیں۔ ایسا مذہب جسے کسی سے جو یہودی نہیں ہے، کوئی ہمدردی نہیں۔ یہ مذہب خودکشی کی عظمت بیان کرتا ہے۔''

''یہ راہب (rabbis) اپنے فوجیوں سے کھل کر کہتے ہیں کہ وہ عربوں سے سختی اور بے رحمی سے پیش آئیں۔ عربوں سے شریفانہ سلوک دراصل ایک خوف ناک غیر اخلاقی عمل ہے۔ جب اس قسم کی تعلیمات مذہبی سپاہیوں کو دی جائیں جو میدانِ جنگ میں جا رہے ہیں، تو

پھر اس بات کا سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ ان (سپاہیوں) کا طرزِ عمل کیا ہوگا؟''[۱]

آج کل پاکستان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی میں جو شورش بپا ہے، اس پر اہلِ نظر بجاطور پر پریشاں ہیں۔ سوات اور فاٹا میں شریعت اور مذہب کے مقدس نام پر قتل و غارت کا بازار گرم ہے، جس پر اہلِ نظر تڑپ تڑپ اُٹھے ہیں۔ وہ اخلاص سے یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر ''ان دہشت پسند طاقتوں کی راہ نہ روکی گئی جو آج خیبر کے دروازوں پر دستک دے رہی ہیں، تو پھر پانی پت کی طرف مارچ کرنے سے انہیں کوئی روک نہیں سکے گا۔''[۲]

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ صوبہ سرحد میں عوامی نیشنل پارٹی کی حکومت سے پہلے دو مذہبی جماعتوں: جمعیت علمائے اسلام اور جماعتِ اسلامی کی حکومت تھی۔ کیا وہ موجودہ انتہا اور تشدد پسند نظریات اور جدید ''خوارج'' کے افکار سے آگاہ تھیں؟ کیا اُنہوں نے اخلاقی بنیادوں پر اجتماعی زندگی کی بدعنوانیوں کو ختم کرنے کے لیے کوئی قدم اُٹھایا تھا؟

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ریاست سوات میں شرعی عدالتیں موجود تھیں، جن میں جلد اور سستا انصاف ملتا تھا۔ جب کہ برطانوی ہند، پھر پاکستانی عدالتوں میں مقدمات کا

---

[1] 'The rabbis openly called upon the soldiers to be cruel and merciless towards the Arabs. To treat them mercifully, they stated, is a "terrible, awful immorality". When such material is distributed to religious soldiers going into war, it is easy to see why things happened the way they did.'

یوری ایونری (Uri Avnery) اسرائیل کا ایک امن پسند شہری ہے۔ اس کا نظریہ ہے کہ اسرائیل کے ساتھ ساتھ فلسطینی ریاست کا قیام بھی ضروری ہے، وہ ''امن پارٹی'' (Gush Shalom) کا بانی ہے۔ خاکسار اپنے عزیز دوست ذاکر اللہ خان کا ممنون ہے، جنہوں نے اس پارٹی کے بارے میں مجھے ایک مفصل خط بھیجا ہے۔

[۲] تفصیل کے لیے دیکھئے:

"Dawn", Opinion: *Wrapping up that Fish*, (Ardeshir Cowasjee), February 08, 2009.

فیصلہ مہنگا اور صبر آزما دیر کے بعد ملتا ہے۔ حالانکہ برطانیہ اور امریکہ میں اگر تین ماہ تک مقدمے کا کوئی فیصلہ نہ ہو تو وہ عدالت سے خارج ہو جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم نے اپنی دانش گاہوں میں قرآن مجید کی بنیادی تعلیم اور رسولِ کریمؐ کی حیاتِ طیبہ کو اس کے صحیح تناظر میں اپنے طالب علموں کو پڑھایا ہوتا، اور شریعتِ اسلامیہ کو ابنِ تیمیہ، ابنِ قیم، مفتی محمد عبدہ، شیخ رشید رضا، شیخ شلتوت، حسن الهضيبي، اقبال اور ابوالکلام آزاد کی تشریح و تفسیر کی روشنی میں پڑھا ہوتا تو پاکستان میں وہ فکری انتشار یا ژولیدگی نہ ہوتی جو آج ہمارا قومی شعار بن گیا ہے۔ ایسے ہی اگر اساتذہ کرام نے اپنے حسنِ عمل سے طالب علموں کی رہنمائی کی ہوتی اور مذہبی فرقہ واریت اور سیاسی پروپیگنڈے کے لیے مذہب کا سہارا نہ لیا ہوتا، تو آج ہم نفرت، تشدد اور سیاسی پروپیگنڈے کی تاریکیوں میں بھٹکتے نہ پھرتے۔ آیئے! اللہ کے بندوں کی بھلائی کے لیے کام کریں۔ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہ پوری انسانی آبادی خدائی کنبہ ہے، اس کی نگاہ میں وہی عزیز تر ہے جو اس کنبہ کے لیے سب سے زیادہ نیکی کرتا ہے۔[۱]

رشید احمد (جالندھری)

---

[۱] "الخلق عيال الله احبهم ابر هم لعياله." (مشكاة المصابيح، باب الحب فى الله)